ترجمانی سے ترجمہ

اپنے جذبات اور احساسات کو دوسروں تک (خاص کر اپنے نوعی اپنوں تک) پہنچانے کی پیدائشی اور فطری للک یوں تو ہر ذی حیات پالے رہتا ہے، لیکن انسان اسے کچھ ایسے برتتا ہے اور کچھ ایسے پہنچا دیتا ہے کہ جیسے یہ اسی کا خاصہ ہو۔ تبھی تو یہ غرہ بھی پال لیتا ہے ؎

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

کچھ سمجھ کر یا پھر جناب امیر کے اس حکیمانہ قول (جو شاید اس کے مافی الضمیر میں بسا ہوا ہے اور جو کچھ اس طرح ہے) کہ انسان جب تک نہ بولے اس کی زبان اس کے قابو میں رہتی ہے ورنہ وہ اس کا غلام ہوجاتا ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے وہ 'ہم بھی' ہی کہتا ہے، 'ہم ہی' نہیں کہتا کہ کہیں کوئی اس کی زبان نہ پکڑ لے۔ جانور بھی تو منہ میں زبان رکھتے ہیں، لیکن وہ بے چارے کچھ 'کہہ' نہیں سکتے۔ اس طرح وہ انسان کا چیلنج قبول بھی کر نہیں سکتے۔ حضرت انسان زبان سے بھی (زبان کے بھی) خوب خوب گل کھلاتے رہتے ہیں۔ پھر بھی محدودیت اس کا مقدر بنی ہوئی ہے، اس کی زبان کو بھی محدودیت کا سامنا ہے۔ اسی محدودیت کی رنگینیاں ہی تو ہیں کہ رنگ رنگ کی سینکڑوں زبانیں اور ہزاروں بولیاں ہوگئی ہیں۔ سبھی زبانیں اپنی اپنی حدوں میں گھری ہوئی ہیں۔ یہ تو انسانی جذبات اور احساسات کے بڑھتے ہوئے قدم ہیں کہ ان زبانوں کے درمیان جو اپنی اپنی جگہ چاہے جتنی الگ الگ ہوں، دور دور ہوں، پل بنا لیتے ہیں، ایسے زبانوں کی ساری محدودیت کو درکنار کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے، یہاں سیاسی (انتظامی) قسم کے پاسپورٹ ویزے کی پابندی بھی نہیں ہوتی۔ اس بے پاسپورٹ بے ویزہ کے پل کو ترجمہ کہا جاتا ہے۔ ترجمہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور اتنی مسلم کہ زبان کے معاملہ میں اپنے کو اکلوتا بولنے والا (عرب) کہنے والے ذرا سا اپنے علاقہ سے باہر نکلے، اپنے منہ سے گونگے (عجم) کہے جانے والوں کے آگے خود ہی گونگے ہوجاتے ہیں۔ اب ان کی زبان ان ہی کے منہ میں گھٹ کر نہ رہ جائے تو کہیئے۔ اس آڑے وقت میں ایک ترجمہ ہی ان کے آڑے آسکتا ہے۔ لیکن ترجمہ کا گلا خود ہی رندھا ہوتا ہے، اس کی زبان بڑی سخت، موٹی اور گول ہوتی ہے۔ مگر نزاکتوں سے بھرپور، ہر زبان کی اپنی نزاکتیں ہوا کرتی ہیں۔ ترجمہ میں زبان کی یہ نزاکتیں دہری (چوہری) ہوجاتی ہیں۔ ہر زبان کا اپنا اپنا مزاج بھی ہوتا ہے جو زیادہ تر اس کی تہذیب یا کلچر سے پوری طرح ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے اپنے محاورے، اپنے لغات، اپنی اصطلاحیں ہوتی ہیں۔ پھر الفاظ کی ساخت اور اس کی معنوی نزاکت بھی ہوتی ہے۔ مزاج، محاورے، اصطلاحیں، اور الفاظ کی ساخت وغیرہ یہ سب خود زبان کے لئے جتنے بھی خوبصورت ہوں، چہیتے ہوں، ضروری ہوں، ترجمہ کے لئے بڑی دشواری پیدا کر دیتے

ہیں۔ایک ’آپ‘ کو ہی دیکھئے۔اس کا بدل ہمارے آس پاس کی زبانوں جیسے عربی، فارسی، انگریزی ۔۔۔۔۔ میں تونہیں دکھائی پڑتا۔ایسے ہی ’غریب خانہ‘ اور ’دولت خانہ‘ کو دیکھئے یا پھر ’تشریف لایئے‘ اور ’حاضر ہوا‘۔(جب کہ یہ مانگے ہوئے لفظ ہیں،لیکن ان کی ’وضعداری‘ ہماری اپنی زبان اور خاص طور سے ہماری تہذیب کی ہے) ان کا سیدھا ترجمہ ہماری زبان وتہذیب کا خون ہوگا اور جس زبان میں ترجمہ کیا جائے گا، اس زبان پر ظلم اور (بے جا) تہذیبی مداخلت ہوگی۔[یہ الگ بات ہے،اب لکھنؤ میں ہی بڑے دھڑلے سے لاؤڈ اسپیکر پر اچھے اچھوں، بڑے بڑوں کے ’دولت خانے‘ غریب خانے، بنادیئے جاتے ہیں۔جوشؔ ملیح آبادی کی روح کتنی تڑپ جائے، کیا پرواہ ہمارے معاصر اخبار بھی اس کی ہمنوائی کرتے نظر آتے ہیں۔] ایسے ہی فارسی میں ’جامعہ شناس‘ ’جامعہ شناسی‘ آتے ہیں، عربی لفظ جامعہ اور ’شناسی‘ کی فارسی ترکیب ہماری زبان کے لئے اجنبی اور نامانوس نہیں لیکن اس جامعہ شناسی کو ہمارے جامعوں سے کچھ لینا دینا نہیں، بلکہ یہ Sociology ہے جسے ہم عمرانیات یا سماجیات کہتے ہیں اور جامعہ شناس ہمارے یہاں کا ماہر عمرانیات (سماجیات) ہوتا ہے۔بات کچھ زیادہ لمبی ہوگئی ؎ طول کچھ ہوگیا قصور معاف

آپ تک میری بات پہنچ گئی ہوگی۔ بہرحال ترجمہ کی نزاکتیں اور اس راہ کی دشواریاں ہی اسے قابل قدر بناتی ہیں اس سے کہیں زیادہ قابل قدر اس مترجم کی کاوشیں ہوتی ہیں جو ان نزاکتوں کے ناز اٹھا لے جائے۔مترجم یوں بھی داد تحسین اور قدردانی کا بھوکا ہی رہتا ہے۔اس کی سچی تحسین و آفرین وہی قدرداں کر سکتے ہیں جو خود دونوں زبانوں کے یکساں مزاج داں ہوں۔وہ تو اصل تحریر سے محظوظ ہوجاتے ہیں تو وہ ترجمہ کی طرف ایک نگاہ بھی نہیں کرتے۔

اصل زبان (یعنی وہ زبان جس سے ترجمہ کیا گیا ہو، ورنہ ہر زبان اصل ہوتی ہے اور اصیل، بدنسب نہیں ہوسکتی۔) سے ناواقف ہی ترجمہ کا بے چارہ قاری ہوتا ہے،اس کی اتنی حیثیت ہی نہیں ہوتی کہ ترجمہ کی سچی قدر کر سکے۔

شعاع عمل کا پیش نظر شمارہ بھی ایک خاص ترجمہ کو پیش کرتا ہے۔ یہ کئی معنوں میں خاص ہے، انیسؔ جیسی خاص شخصیت کی خاص شہکار تخلیق ہے ؎ جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

اسے عربی کے قالب میں ڈھالنے والی ہستی بھی خاص ہے، سیدالعلماء۔ پھر ترجمہ کی ہیئت بھی خاص ہے یعنی منظوم، پھر ایک مصرع کا ایک مصرع میں ترجمہ بھی اپنے میں خاص ہے۔اس طرح یہ ترجمہ خالص ’لکیر کا فقیر‘ نہیں بلکہ تخلیق کا خاص فن پارہ بھی ہے۔ یہ بھی خاص بات ہے کہ ایک نابغۂ روزگار دانشور (دیدہ ور) دوسرے نابغۂ روزگار دانشور کا کیسے فنی خوشہ چین ہوگیا۔

میں کسی کو اس خاص ’تخلیقی تقلید‘ کی دعوت نظر بھی نہیں دے سکتا کیونکہ میری نظروں نے تبرکاً و تیمناً اس کا دور سے ہی بوسہ دیا ہے۔بس دعا ہے یہ خاص الخاص اپنی خاص قدردانی سے محروم نہ رہے۔ (م۔ر۔عابد)